سوال

(240)حدیث بتیراء

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

حدیث بتیراء

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

ایک اہل حدیث دوست کی عنایت سے کبھی کبھار ''الہدی،، دیکھنے کو مل جاتاہے،اس کی اشاعت مورخہ یکم اکتوبر1952ء میں ایک رکعت وتر کی بابت مولوی اعظم گڑھی کاایک مفصل فتوی نظر سے گزرا، یہ مولوی صاحب افتاء کے اہل ہیں یانہیں؟اس کوتووہ خود ہی خوب جانتے ہوں گے!ہم نے توان کا یہ فتوی پڑھ کریہ رائے قائم کی ہے کہ انہوں نےاپنے اس تنقیدی فتوی کے ذریعہ اہل حدیث جماعت کی کوئی اچھی نمائندگی نہیں کی ہے۔

ادارہ ''الہدی،، نے اگراس تحریر کوبجائے فتوی کے ایک مضمون کی حیثیت سے شائع کیاہوتا، توچنداں مضائقہ نہیں ہوتاکہ مضمون نگارہر قسم کے ہوتے ہیں،اور رسالہ اخبار کی پوزیشن اوراغراض ومقاصد سے بسا اوقات بے نیاز ہوکر،کیاکچھ نہیں لکھ ڈالتے حتی کہ اگرادارہ ان پراعتماد کرکے ان کاہر مضمون شائع کردیا کرے، توانتخاب کے بعد بھی پورا مضمون جوں کوتوں کردیا کرے، توپھراس رسالہ یااخبار کی خیر نہیں۔

سطورذیل میں مولوی صاحب موصوف کے اس فتوی پرسراسری نظرڈالنی مقصود ہے،اورامید ہے وہ آئندہ اخذونقل اور تنقیدوکلام میں احتیاط سے کام لیں گے۔

مولوی صاحب موصوف نے سوال اس ڈھنگ سے بنایا ہے کہ اس سے صاف طورپریہ معلوم ہوتاہے کہ حنفیہ جوتین رکعت سے کم وترکے قائل نہیں ہیں،اپنے مذہب پرصرف یہی ایک دلیل (حدیث بتیراء) رکھتے ہیں اورفقط اسی ایک حدیث پران کے اعتماد ہے۔

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، یہ حدیث تومن جملہ ان کی متعدد دلائل کے ایک دلیل ہے۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کومحض تائیداًپیش کرتے ہیں،اوران کااعتماد دراصل دلائل قویہ پرہے، جیساکہ بدائع، شرح معانی الآثار، شروح ہدایہ وغیرہ سے ظاہر ہے۔

مولوی صاحب نے ''بتیراء،، کے دوجواب دیے ہیں۔

پہلاالزامی، دوسرا تحقیقی۔

الزامی جواب میں انہوں نے حدیث بتیرا حدیث بتیرا سے جو ضعیف ہے ایک رکعت وتر کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، تو حدیث ابوہریرہ سے جو صحیح ہے مشابہ مغرب تین رکعت وتر کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ پس احناف کو چاہے کہ جیسے ایک رکعت وتر نہیں پڑھتے، تین رکعت بھی مشابہ مغرب کے وتر نہ پڑھیں۔ مطلب آپ کے اس لکھنے کا یہ ہوا کہ اہل حدیث نے ایک ضعیف حدیث (حدیث بتیراء) کا خلاف کیا ہے، تو کیا ہوا! حنفیہ نے تو صحیح حدیث (حدیث ابوہریرہ مذکور) کا خلاف کیا ہے۔

ادباً گزارش ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث مشترک الالزام ہے۔ اگر بظاہر ہمارے حنفیہ کے خلاف ہے تو اہل حدیث کے بھی خلاف ہے، کیونکہ علماء اہل حدیث تین رکعت وتر کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ افضل کہتے ہیں، اگرچہ عوام اہل حدیث کا عمل ایک رکعت پر زیادہ ہے، اس لحاظ سے اہل حدیث پر ڈبل الزام عائد ہوتا ہے یعنی: یہ کہ انہوں نے دو حدیث (حدیث بتیراء، حدیث ابوہریرہ) کی مخالفت کی ہے، رہ گیا مغرب کی مشابہت کا معاملہ تو اس کا جواب آگے آرہا ہے۔

اس امر پر فریقین کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے تین رکعت وتر قولاً و عملاً ثابت ہے، اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث مذکور میں تین رکعت وتر سے منع کیا گیا ہے، اس لیے ہر دو فریق اہل حدیث و حنفیہ ان احادیث کی توجیہ ان ان کے درمیان تطبیق دینے پر مجبور ہیں اور چوں کہ تطبیق کی کوئی خاص نوعیت اور جہت متعین و منصوص نہیں ہے۔ اس لیے ہر صاحب نظر و فکر احادیث متعارضہ کے الفاظ و نیز دیگر احادیث متلقہ کو سامنے رکھتے ہوئے تطبیق دینے کا مجاز ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں توفیق و تطبیق میں تعداد اور تنوع واختلاف غیر مستبعد بلکہ گزیر ہے۔ چنانچہ یہاں تطبیق کی حسب ذیل صورتیں نکالی گئی ہیں:

(1) منع والی حدیث (حدیث ابوہریرہ) کا مورد وہ تین رکعت ہے جو دو قعدہ اور

اور ایک سلام کے ساتھ ادا کی جائے، کیونکہ اس صورت میں وتر، مغرب کی نماز کے مشابہ ہو جائے گی۔ اور جواز والی حدیثیں محمول ہیں اس صورت پر کہ جس میں وتر کی تین رکعت ایک قعدہ اور ایک سلام کے ساتھ ادا کی جائے، حافظ ابن حجر شافعی نے اسی طرح تطبیق دی ہے، اور امیر یمانی نے شرح بلوغ المرام میں اس کی تحسین کی ہے، اور علامہ نیموی کے جواب میں صاحب تحفۃ الاحوزی نے اس توجیہ کی تائید و تقویت کی ہے۔

(2) تین رکعت وتر بہر حال دو قعدہ ایک سلام کے ساتھ ہونی چاہیے، منع کا تعلق اس صورت کے ساتھ ہے جب کہ صرف وتر پر اکتفاء کیا جائے یعنی: اس سے پہلے سنت یا نفل نہ پڑھی جائے، کیونکہ اس صورت میں وتر، مغرب کی فرض نماز کے مشابہ ہو جائے گی اس لیے کہ فرض مغرب سے پہلے سنت پڑھنا مندوب و مسنون نہیں ہے، اور نہ نہ اس پر امت کا تعامل ہے گو مباح اور جائز ہے کما صرح بہ الشیخ ابن الہمام فی فتح القدیر اور جواز والی احادیث

کا محمل وہ صورت ہے جب کہ وتر سے پہلے دو رکعت سنت یا نفل ادا کر لی جائے۔ یہ وجہ تطبیق ہمارے فقہاء حنفیہ، امام طحاوی وغیرہ نے اختیار فرمائی ہے۔

(3) نہی محمول ہے کراہت پر، اور ثبوت والی احادیث محمول ہیں بیان جواز پر۔

پس احوط یہ ہے کہ تین رکعت پڑھی ہی نہ جائے نہ دو قعدہ اور ایک سلام کے ساتھ، اور نہ ایک قعدہ و ایک سلام کے ساتھ، کیوں کہ: ایک تشہد کے ساتھ ادا کرنے میں بھی مغرب کی فرض کے ساتھ فی الجملہ مشابہت موجود رہتی ہے۔ یہ توجیہ شوکانی نے ختیار کی ہے۔

(4) جواز کا تعلق دو سلام والی صورت کے ساتھ ہے اور نہی کا تعلق ایک سلام

والی صورت کے ساتھ، خواہ دو قعدہ کے ساتھ ہو یا ایک قعدہ کے ساتھ، یہ طریق مختار ہے محمد نصر مروزی، یہ کہتے ہیں کہ: ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک تیسری اور چوتھی تطبیق کی طرح پہلی وجہ تطبیق بھی مخدوش ہے۔ اس لیے کہ حدیث ابوہریرہ دو لفظوں کے ساتھ مروی ہے:

1۔ ''لاتوتروا بثلاث تشبهوا بالمغرب، ولكن اَوتروا بخمس اَو بسبع اَو تسع اَو باحدى عشر ركعة، او اكثر من ذلك،، (بيهقى 31/3، كتاب الوتر للمروزى ص : 125، طحاوى 1/192، مسند رک للحاكم 1/304).

1- ,, لاتوتروا بثلاث، اَوتروا بخمس اَو سبع، ولا تشبهوا بصلاة المغرب،، (دار قطنى 25/2-26)

پہلی روایت کا مطلب یہ ہے کہ تین رکعت وتر نہ پڑھو اگر تین رکعت پڑھو گے تو اس کو مغرب کی نماز کے مشابہ کردو گے، پانچ رکعت وتر پڑھو، یا سات رکعت، یا نو رکعت، یا گیارہ، یا اس سے بھی زیادہ، معلوم ہوا کہ نہی کا محط اور منع کا مورد تشبیہ بمغرب نہیں ہے، بل کہ تین کا عدد ہے اور اس کا تشبہ بمغرب لازم ہے جب بھی تین رکعت پڑھی جائے اور جس ہئیت کے ساتھ بھی پڑھی جائے گی مشابہت بمغرب محقق ہوجائے گی۔ اس مشابہت کے رفع کا طریقہ خود اسی حدیث کے آگے جملہ میں مذکور ہے، ارشاد ہے : ''ولكن اَوتروا بخمس،، الخ معلوم ہوا کہ وتر تین رکعت کے بجائے پانچ یا سات یا نو یا گیارہ ادا کرنا چاہیے اس طرح پر کہ تین رکعت (وتر) سے پہلے دو چار یا چھ یا آٹھ رکعت نفل ادا کرلی جائے، ظاہر ہے کہ حافظ کی ذکر کردہ وجہ تطبیق سے دونوں حدیثوں (حدیث منع، وحدیث جواز) کا اختلاف دور نہیں ہوا کیوں کہ حضرت ابوہریرہ کی اس روایت میں مطلقا تین رکعت وتر سے منع کردیا گیا ہے اور تین رکعت پڑھنے پر مغرب کی مشابہ ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، اور تین کے بجائے پانچ، سات، نو گیارہ، پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کی نظر سے روایت کے یہ الفاظ گزرے نہیں یا گزرے تو لیکن انہوں نے قابل التفات نہیں سمجھا۔

دوسری روایت میں مستقل طور پر دو چیزوں سے منع کیا گیا ہے :

1۔ ایتار بالثلث اور تشبیہ بصلاۃ المغرب اب اگر تین رکعت پڑھنا ہی تشبیہ بمغرب ہے، تو وہی سابق اشکال یہاں بھی بعینہ پیدا ہوجائے گا اور اگر تشبیہ سے مقصود کسی خاص مثبت سے ادا کرنا ہے، تو اس خاص صفت اور ہئیت کی تعین پر کوئی قرینہ ہونا چاہیے، جو اس امر پر دلالت کرے کہ اگر اس مخصوص صفت کے ساتھ تین رکعت ادا کی جائے تو مغرب کے ساتھ مشابہت ہوجائے گی، اور اگر اس ہئیت کے علاوہ دوسری ہئیت پر ادا کی جائے تو مشابہت نہیں ہوگی، اور معلوم ہے کہ حافظ کی ذکر کردہ ہیئت (ایک قعدہ اور ایک سلام والی تین رکعت) پر اس قسم کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے، علاوہ بریں اس تطبیق کے رو سے ''لاتشبهوا،، پر تو بظاہر عمل ہوجاتا ہے لیکن دوسرے جملہ کا ''لاتوتروا بثلاث،، پر عمل نہیں ہوتا یعنی : اس نہی کی حافظ نے کوئی توجیہ بیان نہیں کی۔ ف فیہ إعمال کلمۃ واہمال کلمۃ اَخری، و نیز یہ توجیہ جملہ ''اوتروا بخمس،، الخ سے بھی صرف نظر کرلینے پر دلالت کرتی ہے، او نیز یہ تطبیق اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس کو ابن حزم نے المحلی 3 47، نسائی 3 235، طحاوی 1 280-285، حاکم 1 304، بیہقی 3 31، دار قطنی 2 33 محمد بن نصر اللیل ص : 122 نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بایں لفظ روایت کیا ہے : ''كان لايسلم فى ركعتى الوتر، وفى رواية : لايسلم فى الركعتين الاَوليين من الوتر،، وفى رواية : كان يوتر بثلاث لايسلم الا فى آخرهن،، اس حدیث میں وتر کی دوسری رکعت پر صرف سلام کی نفی کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی دوسری رکعت کے بعد قعدہ تشہد کیا کرتے تھے، کیونکہ اگر سلام اور قعدہ تشہد دونوں کی نفی مقصود ہوتی تو لایقعد یا لایتشہد کہنا کافی تھا۔ اس لیے کہ قعدہ تشہد فی الصلوۃ کی نفی سلام، تحلیل صلوۃ کی نفی کو مستلزم ہے، اور سلام کی نفی قعدہ تشہد کی نفی کو مستلزم نہیں ہے کما لایخفی، اسی لیے بیہقی شافعی نے اس حدیث پر یہ باب منعقد کیا ہے : ''باب من اوتر بثلاث موصولات بتشهدين و تسليم،، (السنن الكبرى 3/31) اور ابن حزم نے محلی 3 47 میں وتر کی ان تمام صورتوں کو جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں بالتفصیل بیان کرتے ہوئے بارہویں صورت اس طرح تحریر کی ہے : ''والثانى عشر : ان ايصلى ثلاث ركعات، يجلس فى الثانية، ثم يقوم دون التسليم، ويَاتى بالثالثة، ثم يجلس، ويتشهد كصلاة المغرب، وهو اختيار اَبى حنيفة،، انتہی، پھر اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور بایں لفظ روایت کی ہے : ''اِن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لايسلم فى ركعتى الوتر،، (محلی 47/3)

معلوم ہوا کہ بیہقی شافعی اور ابن حزم ظاہری نے بھی اس روایت سے یہی سمجھا ہے کہ آنحضرت ﷺ تین رکعت وتر دو تشہد اور ایک سلام کے ساتھ ادا فرماتے تھے، پس حافظ کی تطبیق (ایک قعدہ اور ایک سلام) بلاشبہ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ اور اگر ان تمام امور سے قطع نظر کرکے غور کیا جائے تو یہ وجہ تطبیق ہمارے لیے مضر بھی نہیں، کیونکہ اس کا حاصل اسی قدر تو ہے کہ دونوں نمازوں (وتر اور مغرب) میں سے ایک نماز میں ایک عمل کی زیادت اور دوسری نماز میں اس کی کمی سے مشابہت بمغرب مرتفع ہوجائے گی۔ اور ظاہر ہے کہ دو قعدہ اور ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر میں دعاء قنوت کی زیادت سے نماز وتر مغرب کی مشابہ باقی نہیں رہتی، اور شوکانی کی ذکر کردہ تطبیق اس لیے صحیح نہیں کہ آنحضرت ﷺ سے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اکثر تین رکعت وتر پڑھنا مروی ہے، پس اس کو مکروہ کہنا صحیح نہیں۔ اکثریت دلیل ہے اس کی افضلیت واولیت کی، بیا

ن جواز کے لیے کبھی کبھار کر لینا کافی ہے۔

اور محمد بن نصر مروزی کی توجیہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ فصل بالسلام کی وجہ سے تیسری رکعت نئی تحریمہ سے شروع ہوئی تو اصل وہی رکعت وتر ہوئی اور پہلی دو رکعتیں دو رکعتیں اس سے الگ رہیں، پھر تین رکعت وتر نہیں ہوئی بلکہ صرف ایک رکعت ہوئی۔ اور آں حضرت ﷺ سے بقول ابن الصلاح کے وتر ایک رکعت فرد ثابت ہی نہیں۔ نیز بتیراء سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، لہذا صحیح توجیہ و تطبیق وہی ہے جو ہمارے علماء حنفیہ نے اختیار کی ہے امام طحاوی شرح معانی الآثار 1 185 میں فرماتے ہیں: ''کرہ إفراد الوتر حتی یکون معہ شفع، ، انتہی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول: ''کان الوتر سبعا اور خمسا، والثلاث بتیراء،، روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''فکرہت أن یجعل الوتر ثلاثا، لم یتقدمہ من شئ حتی یکون قبلہن غیر ہن،، انتہی، مقصود یہ ہے کہ آپ نے وتر سے پہلے نفل پڑھ لینے پر ابھارا ہے۔ اگر یہ نفل دو رکعت ہو تو مجموعہ پانچ ہوگا اور اگر چار رکعت ہو تو مجموعہ سات ہوگا۔ وہکذا۔

پس حدیث ابوہریرہ میں وتر سے صرف وتر اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ معنی اعم مراد ہے جو صلوۃ اللیل اور وتر مصطلح دونوں کو شامل ہے۔ ابوداؤد 1 127، اور طحاوی 1 185 ''عن عبداللہ بن قیس قال: قلت لعائشۃ بکم کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر؟ قالت: یوتر باربع وثلاث، وست وثلاث، وثمان وثلاث، وعشر وثلاث الخ،، تفصیل جامع الترمذی ''باب الوتر بسبع،، 2 319 ملاحظہ ہو۔

حنفیہ کے اس قول کی کہ حدیث ابوہریرہ میں تین رکعت وتر سے پہلے شفع پڑھنے کی تاکید مقصود ہے، تائید و تقویت آثار ذیل سے بھی ہوتی ہے:

(1) عن ابن عباس: الوتر سبع او خمس ولا تجب ثلاثا بترا،، وفی روایۃ: ''إنی لأکرہ أن یکون ثلاثا بترا، ولکن سبع أو خمس،، (شرح معانی الآثار 1/286)۔

(2) ''وعن عائشۃ: ''الوتر سبع أو خمس، وإنی لأکرہ أن یکون ثلاثا بترا،،. وفی لفظ: ''أدنی الوتر خمس،،.

یہ آثار صاف طور سے دلالت کرتے ہیں کہ اس امر پر کہ حضرت عائشہ ھ، وابن عباس کے نزدیک وتر تین رکعت ہے، لیکن صرف تین رکعت پر اکتفا کرنا یعنی: اس سے پہلے نفل نہ پڑھنا مکروہ ہے۔ جیسے کوئی یہ کہے کہ میں فجر کی نماز صرف دو رکعت اچھا نہیں سمجھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ فجر کی سنت کے بغیر صرف دو رکعت فرض پر اکتفا کرنے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔

ہماری اس تفصیل سے صاحب تحفۃ الاحوزی کے اس الزام و اعتراض کا جواب بھی ظاہر ہو گیا جو انہوں نے علامہ شوکانی نیموی مرحوم کی تردید میں بایں الفاظ ذکر کیا ہے: ''یلزم منہ (ای مما ذکرہ علماء الحنفیۃ من وجہ الجمع بین الحدیثین) أن یکون التطوع قبل الإیتار بثلاث واجبا وواللازم باطل، فالملزوم مثلہ،، انتہی۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہماری توجیہ کی رو سے تین رکعت وتر سے پہلے ترک تطوع مکروہ ہے حرام نہیں ہے، جیسا کہ امام طحاوی کے قول: کرہ افراد الوتر سے ظاہر ہے، ہاں اہل حدیث کو چاہیے کہ ایک رکعت وتر نہ پڑھیں کیونکہ حدیث ابوہریرہ میں وتر پانچ یا سات یا نو یا گیارہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور ایک رکعت وتر لاشئ سمجھ کر چھوڑ دی گئی۔

مولوی..... صاحب نے حدیث بتیراء کا تحقیق جواب کئی طرح دیا ہے:

(1) پہلا جواب یہ ہے کہ حدیث آخر میں بتیراء کی تفسیر سے متعلق الفاظ (أن یصلی الرجل واحد یوترہا) کا مرفوع ہونا یقینی نہیں۔ احتمال ہے کہ یہ تفسیر

کسی راوی نے کی ہو اور راوی کا فہم حجت نہیں۔ پھر مولوی صاحب نے اپنی تائید کے لیے ''درایہ،، 1 192 سے ایک عبارت نقل کی ہے لیکن حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ وہ عبارت مولوی صاحب کی تائید کی بجائے ان کے جواب بالا کی تغلیط و تردید کرتی ہے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ''وتعقب بأن فی حدیث أبی سعید نفسہ، أن یصلی الرجل واحدۃ یوترہا، وہذا مرفوع، أو من تفسیر الراوی، وہو أعلم روی،، انتہی.

مولوي صاحب نے حافظ کے اس کلام کو سمجھا ہی نہیں ورنہ اس کو اپنی تائید میں ہر گزنہ ذکر کرتے ۔ مولوی صاحب نے کتب اصول حدیث میں مدرج کی بحث پڑھی ہوگی جس میں یہ مرقوم ہے کہ : ''ویدرک ذلک (أی الإدراج) بورودہ منفصلافی روایۃ أخری، أوبالتنصیص علی ذلک من الراوی، أوبعض الأئمۃ المطلعین، أوباستحالۃ کونہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ذلک،، (تدریب الراوي 267/1)، ''ولایسوغ الحکم بالإدراج إلاإذاوجد مایدل علیہ،، الخ (توجیہ النظر ص : 172) اور ادراج سے متعلق حافظ کا یہ کلام بھی نظر سے گزرا ہوگا ۔ ''إن الاصل عدم الإدراج، حتی یثبت التفصیل فیما مضموضا إلی الحدیث فہومنہ،، (فتح الباری)

مولوی صاحب بتلائیں یہاں اس تفسیر کے مدرج ہونے پر کون سی دلیل ہے ؟اورجب کوئی ادراج کی نہیں ہے تواس کے مرفوع ہونے میں شک کرنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے ؟ اوراگر بالفرض یہ تفسیر کسی صحابی یانیچے کے کسی راوی کو ہوتو پھر بھی یہ بہر حال معتبر ہوگی ۔لأن الراوی أعلم بماروی کما قال الحافظ، ولأن تفسیر راوی الحدیث، مقدم علی تفسیر غیرہ کما قال الزیلعی، یہاں فہم راوی کی حجیت وعدم حجیت کی بحث بے محل ہے، راوی کے فہم کا حجت نہ ہونا اورچیز ہے اوراس کی اپنی روایت کردہ حدیث کی تفسیر وترجمانی کا مقدم ومعتبر ہونا شئ دیگر ہے ۔

مولوی صاحب نے حدیث بتیرا کا دوسرا جواب یہ دیا ہے : ''حضرت ابن عمر نے بتیراء کی یہ تفسیر کی ہے کہ دوسری رکعت ناقص رکوع وسجود کے ساتھ ادا کی جائے ۔اس تفسیر کی بناء پر حدیث بتیراء سے ایک رکعت وتر پڑھنے کی ممانعت نہیں ثابت ہوتی،، ۔

مولوی صاحب سنئے !اسی جواب پر حافظ نے تعقب مذکور بالا وارد کیا ہے دوبارہ پڑھیے : ''وتعقب، بأن فی حدیث ابی سعید نفسہ، ان یصلی الرجل، واحدۃ یوتربہا، وہذا مرفوع، أومن تفسیر الراوی، وہوأعلم بماروی،، اورحافظ زیلعی نصب الرایہ (2/120، 172) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی تفسیر بتیراء والی حدیث کے بعد لکھتے ہیں : ''وہذاإن صح عن ابن عمر ففی حدیث النہی مایردہ، وتفسیرہ راوی الحدیث مقدم علی تفسیرہ غیرہ، بل ظاہر اللفظ انہ من کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم،، انتہی .

(3)تیسرا جواب مولوی صاحب موصوف نے یہ دیا ہے کہ حدیث بتیراء ضعیف ہے اس کی سند میں عثمان بن محمد بن ربیعہ واقع ہیں اوروہ ضعیف ہیں ۔ عبدالحق اشبیلی نے ''الاحکام،، میں اورابن القطان نے ''الوہم والایہما،، میں لکھا ہے : ''الغالب علی حدیث عثمان بن محمد الوہم،، .

علامہ ابن الرکمانی اس کا یہ جواب دیتے ہیں : ''ہذا الکلام خفیف، وقد أخرج لہ الحاکم فیا المستدرک،، (الجوہر النقی مع السنن الکبری 73/2) علاوہ بریں یہ معلوم ہے کہ ابن القطان الفاسی متعنت ومتشدد ہیں، ذہبی لکھتے ہیں : ''طالعت کتابہ المسمی بالوہم والإیہام، الذی علی الأحکام الکبری لعبدالحق، یدل علی حفظہ وقوۃ فہمہ، لکنہ تعنت فی احوال رجال فما انصف، بحیث أنہ أخذ یلین ہشام بن عروۃ ونحوہ،، انتہی (تذکرۃ الحافظ 4/1407) بہر کیف عثمان بن محمد ایسے راوی ہیں کہ ان کی روایت قابل احتجاج ولائق استناد نہ ہو۔

تنبیہات

(1) مولوی صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ حدیث بتیراء بالاتفاق ضعیف ومرسل ہے اس پر عرض ہے کہ اس حدیث کے دوطریق ہیں :

1۔ ابن عبدالبر کا ''تمہید،، میں روایت کردہ طریق ۔

2۔ محمد بن کعب قرظی کا طریق، جس کو نووی نے ''خلاصۃ،، میں بغیر کسی مخرج کی طرف منسوب کئے ہوئے ذکر کیا ہے ۔

پہلا طریق مرسل نہیں، بلکہ موصول ہے اوراس کی صرف عقیلی، ابن القطان، عبدالحق، حافظ ابن حجر نے تضعیف کی ہے ۔ اس تضعیف کی وجہ مع جواب کے گزر چکی ہے، پس اس حدیث کو بالاتفاق ضعیف ومرسل کہنا غلط ومردود ہے

البتہ دوسرا طریق مرسل ہے اوراسی طریق کو نووی، اورعراقی نے ''مرسل ضعیف،، کہا ہے اورابن حزم نے ''غیر صحیح،، لکھا ہے ۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ حدیث مرسل جمہور اصولیین وائمہ کے نزدیک حجت ہے لاسیما إذاعتضد بالموصول ۔بہر حال حدیث بتیراء کو مطلقا ضعیف، مرسل کہنا غلط اورباطل ہے ۔

(2) مولوی صاحب لکھتے ہیں ''احکام الاحکام شرع عمدۃ الاحکام،، میں ہے : ''ذہبت الہادویۃ، وبعض الحنفیۃ إلی أنہ لایجوز الإیتار برکعۃ،، الخ

افسوس ہے کہ آپ ''احکام،، اوراس کی تعلیق میں فرق وامتیاز نہ کرسکے، عبارت منقولہ احکام الاحکام کی نہیں ہے بلکہ حاشیہ کی ہے جس کا منصف نہ جانے کون ہے؟ اوراس نے یہ عبارت نیل الاوطار سے 2 278 سے لی ہے۔ کاش آپ نے ''نیل الاوطار،، ملاحظہ کرلیا ہوتا۔

(3) مولوی صاحب نے بذل المجہود کی عبارت ادھوری نقل کی ہے، پوری عبارت درج ذیل ہے اوراس میں آپ کی تردید بھی موجود ہے : 'قال القاری : وقد ورد النہی عن البتیراء ولوکان مرسلا، إذالمرسل حجۃ عندالجمہور انتہی، قال النووی فی الخلاصۃ : ''حدیث محمد بن کعب القرظی فی النہی عن البتیراء مرسل وضعیف،، (بذل 92/324)۔

یہ گزرچکا ہے کہ ہمارا اعتماد وصرف اس مرسل پر نہیں ہے اگرچہ وہ عندالجمہور حجت شرعی ہے۔

(4) آپ نے ''لسان المیزان 4 152 سے ابن القطان کا پورا کلام نہ جانے کیوں نقل نہیں کیا؟ ان کا بقیہ کلام یہ ہے کہ ''مالم یعرف عدالتہم، ولیس دون الدراوردی (عبدالعزیز بن محمد، شیخ عثمان بن محمد) من یغمض عنک، قلت (قائلہ الحافظ) : یرید بذلک عثمان وحدہ، ولإفباقی الإسناد ثقات مع احتمال أن یخفی علی ابن القطان حال بعضہم،، انتہی

اس حدیث کو شاذ کہنے کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ لسان سے ابن القطان کا ادھورا کلام نقل کرنا مولوی صاحب کے لیے کچھ مفید نہیں۔

عبیداللہ رحمانی مبارکپوری

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری

جلد نمبر 1

صفحہ نمبر 363

محدث فتویٰ